فکرِ اقبال میں زمان و مکان کی اہمیت

ایس۔اقبال قریشی

اقبال کی پہچان ان کے فلسفہ خودی کی وجہ سے ہے اور تصور خودی اقبال سے اس حد تک وابستہ ہے کہ اُن کی شخصیت اور اُن کے پیغام کا جزو لاینفک بن گیا ہے۔ اقبال کی پوری توجہ تصور خودی کی تشریح و توضیح پر ہے اور اُن کے دوسرے تمام تصورات تصور خودی کے تابع ہیں۔ ڈاکٹر ایس۔عالم خوندمیری رقمطراز ہیں:

> The world, for him (Iqbal), consists of living-willing egos, who are continuously and unceasingly struggling to rise to higher stages of life and will. The universe is an ordered system of egos or individualities and the continuation of individuality depends upon the strengthening of the ego of self.[1]

مگر حیرت ہے کہ کہیں کہیں خودی زمان و مکان کے تابع ہو جاتی ہے۔ اقبال نے خودی کے فلسفے کو پیش کرنے کے لیے بڑی جدوجہد کی ہے۔ لیکن اُن کی تحریروں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ خودی سے کہیں زیادہ زمان و مکان کے تصورات نے اقبال کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے جیسا کہ مختلف صوفیہ یا فلسفیوں کے ساتھ ہوا ہے:

> It is to be kept in mind that the problem of time has always attracted the attention of philosophers and mystics. This is because according to the Qur'an the alternation of day and night is one of the greatest signs of God.[2]

ان تصورات کو اپنے نقطۂ نگاہ سے پیش کرنے کے لئے اقبال نے حتی الامکان اپنا پورا زور صرف کیا۔ پروفیسر جگن ناتھ آزاد کہتے ہیں:

> اقبال نے اپنے فلسفیانہ نظریات میں جو اہمیت تصورِ زمان و مکان کو دی ہے، وہ شاید اپنے کسی اور نظریے کو نہیں دی۔[۳]

اُن کے خطوط شاہد ہیں کہ زمان و مکان کے نظریہ کو اپنانے اور پیش کرنے کے لئے ماخذ کی تلاش میں

اُنہوں نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اُس دور کے تمام علماء سے وہ رجوع کرتے رہے۔ کچھ خطوط کے اقتباسات ملاحظہ فرمایئے۔ مولانا سیّد سلیمان ندوی کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

کیا حکمائے صوفیائے اسلام میں سے کسی نے زمان و مکان کی حقیقت پر بحث کی ہے؟[۴]

ایسے ہی علامہ اقبال نے سیّد سلیمان ندوی کو ایک خط میں مُلا محمود جونپوری کی مشہور کتاب شمس بازغہ کے بارے میں لکھا:

شمس بازغہ یا صدرا میں جہاں زمان کی حقیقت کے متعلق بہت سے اقوال نقل کئے گئے ہیں، ان میں ایک قول یہ ہے کہ 'زمان خدا ہے' بخاری میں ایک حدیث بھی اس مضمون کی ہے: لا تسبّوا الدّھر کیا حکمائے اسلام میں سے کسی نے یہ مذہب اختیار کیا ہے، اگر ایسا ہو تو یہ بحث کہاں ملے گی۔[۵]

ایک اور خط میں اقبال نے سیّد سلیمان ندوی کے نام لکھا:

(۱) حضرت محی الدین ابن عربی کی فتوحات یا کسی اور کتاب میں حقیقتِ زمان کی بحث کس کس جگہ ہے، حوالے مطلوب ہیں۔

(۲) حضراتِ صوفیہ میں کسی اور بزرگ نے بھی اس مضمون پر بحث کی ہو تو اس کے حوالہ سے بھی آگاہ فرمایئے۔

(۳) متکلمین کے نقطۂ خیال سے حقیقتِ زمان یا آن سیّال پر مختصر اور مدلّل بحث کون سی کتاب میں ملے گی۔[۶]

سیّد سلیمان ندوی سے ایک اور خط میں پوچھتے ہیں:

نورالاسلام کا عربی رسالہ بابتِ مکان، جو رام پور میں ہے کس زبان میں ہے، قلمی ہے یا مطبوعہ، نورالاسلام کا زمانہ کون سا ہے۔[۷]

ایک اور خط میں علامہ رقمطراز ہیں:

مسئلہ زمان کے متعلق ابھی تک مشکلات باقی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فلاسفہ پر جو اعتراضات ہمارے متکلمین نے کئے ہیں وہ مسئلہ زمان کے متعلق خود ان کے افکار پر بھی عائد ہوتے ہیں۔ مولوی سیّد برکات احمد مرحوم نے دہر اور زمان میں امتیاز کر کے کسی قدر مشکلات کو کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ مسئلہ نہایت مشکل ہے۔ ممکن ہے حضرت ابن عربی اس پر روشنی ڈال سکیں۔[۸]

ان خطوط کے علاوہ کئی مقامات پر علامہ نے اپنے خطوط میں تصورِ زمان و مکان کا ذکر کیا۔ مثلاً مختلف خطوط میں انہوں نے خواجہ غلام السیّدین، سیّد مہر علی شاہ گولڑوی اور سیّد نذیر نیازی کے ساتھ بھی اُن کی خط و کتابت رہی۔ یہ دوسری بات ہے کہ علماء اس مسئلہ میں اُن کی رہنمائی نہ کر سکے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ جس فلسفۂ حیات کے لئے وہ مضطرب تھے وہ یہی نقطۂ نظر ہے اور ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ بیسویں صدی میں اس

تصور نے انسانی ذہن کو جس طرح جھنجھوڑا اور بے چین کیا تھا اُس کا تقاضا تھا کہ اقبال بھی ان حقائق کی تلاش وجستجو میں سرگرداں رہے۔ڈاکٹر رضی الدین کے مطابق:

اقبال نے اپنے کلام، خطبات میں دوسری تحریروں میں جن بنیادی مسٔلوں پر غور وفکر کیا ہے، اُن میں زمان و مکان کا سائنسی اور فلسفیانہ مسٔلہ بھی شامل ہے جو ان کے زیرِنظر بہت زیادہ رہا ہے، حتیٰ کہ خطبات کا بیشتر حصہ محض اسی مسٔلے کی توضیح وتشریح اور اس کے اطلاقات پر مشتمل ہے۔اس کی روشنی میں انہوں نے مذہب اور الٰہیات کے مختلف اصولوں پر غائرنظر ڈالی ہے۔ان کا خیال ہے کہ زمان ومکان کا مسٔلہ مسلمانوں کے لئے زندگی اور موت کا مسٔلہ ہے۔[9]

اگر یہ کہا جائے کہ بیسویں صدی کی سب سے بڑی فلسفیانہ یافت یہی ہے کہ تو بے جا نہ ہوگا۔ارسطو اور افلاطون سے لیکر اُنیسویں صدی کے آئن سٹائن کے نظریۂ اضافت نے زمان ومکان کے تصور کو ایک نئے نقطۂ نگاہ سے پیش کیا۔اقبال اپنی ابتدائی تصنیف اسرارِ خودی سے ہی اس مسٔلے پر سنجیدگی سے سوچنے لگے تھے۔واقعہ یہ ہے کہ خودی جب بے اماں، بے زماں اور بے مکان ہوجائے تو پھر اُس کا وجود اور اُس کے حدود پر گفتگو آسان نہیں ہوتی:

مکانی ہوں کہ آزادِ مکاں ہوں
جہاں بیں ہوں کہ خود سارا جہاں ہوں
وہ اپنی لامکانی میں رہیں مست
مجھے اتنا بتادیں میں کہاں ہوں![10]

خودی کا یہ تصور بڑا پیچیدہ اور ماورائی حیثیت کا حامل ہے اور یہاں انسانی فکر کی حیرت بڑھ جاتی ہے۔اقبال نے خودی اور بے خودی کی تشکیل میں اسلامی فلسفے اور فکر کا سہارا لینا چاہا۔

علامہ اقبال نے خودی اور بے خودی کو اپنے آئینہ خانے میں ڈھالنا چاہا۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اسرار خودی میں ’’الوقتُ سیف‘‘ کے قول سے اسے مربوط کرنا چاہا۔پروفیسر ایم ایم شریف لکھتے ہیں:

Iqbal takes a dictum of Imam Shafi's الوقتُ سیف(time is sword) and writing under the title poem of sixty one couplets in *Asrar-e-Khudi*.[11]

اقبال نے جب گول میز کانفرنس میں شرکت کے بعد واپسی پر برگساں سے ملاقات اور گفتگو کی تو اس سے اُن کے تفکر میں حیرت انگیز انقلاب پیدا ہوا۔

Iqbal paid a visit to Bergson who was very pleased to see him.[12]

اور اُس ملاقات کے بعد اقبال کی تشنگی اور زیادہ بڑھ گئی۔راقم کا خیال ہے کہ شاید اس ملاقات کے ہی سبب

اُن کی اہم تصنیف بالِ جبریل میں ہمیں زماں کے مباحث ملتے ہیں:

> Following Bergson Iqbal makes a distinction between pure time and serial time, pure time for him is not unreal as Zeno and Plato... like Bergson he holds that pure duration is identical with life and is an unceasing flow or a continual change, as perpetual flux.[13]

بالِ جبریل اُن کے عمر کی پختگی کے ساتھ ساتھ اُن کی افکار کی ارتقائی صورت پیش کرتا ہے۔ گویا ۱۹۲۴ء سے لیکر ۱۹۳۵ء تک اقبال نے پوری توجہ کے ساتھ اس خیال کو مستحکم کرنے کے لئے کوشش کرتے رہے۔ برگساں معمولی فکر کا فلسفی نہ تھا۔ اگر بیسویں صدی کے فلسفیانہ تصورات کا اُسے حامل کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، جس سے اقبال بہت متاثر ہوئے:

> Iqbal's poetry and thought are so indebted to Bergson that one cannot miss the Bergsonean note in his works. Leaving aside the influences and impressions from Bergson, one might feel attracted to discover the *raison d'etre* for the Bergsonean note in him. What seems to have appealed to Iqbal most is the poetic language that Bergson has used in all his works.[14]

یہی سفر ہے کہ مسولینی سے ملاقات نے اقبال کے فلسفۂ قوت کو نیا استحکام یا طاقت بخشی۔ ان دونوں فلسفیانہ تصورات میں یعنی زمان ومکان اور قوت میں ایک باریک رشتہ بھی ہے، جس کی طرف بڑا لطیف اشارہ مسجد قرطبہ والی نظم میں موجود ہے جو ہمارے ناقدین کی نظر سے اوجھل ہے۔ 'مسجد قرطبہ' کے پہلے بند میں وہی زمان ومکان ہے جو حادثات کا تسلسل ہے جس کی زد سے دنیا کی کوئی شئے محفوظ نہیں ہے۔ مگر 'مسجد قرطبہ' کیوں محفوظ اور باقی ہے اس لئے کہ مردِ خدا نے اس کی تخلیق کی ہے۔ اقبال کی نظر میں مردِ خدا لازوال قوت کا سرچشمہ ہے جو بڑے سے بڑے طوفان کو روک دیتا ہے۔ فنا ہر تخلیق کا مقدر ہے لیکن مردِ خدا کی تخلیق کو زوال نہیں ہے کیونکہ وہ اپنی بے پناہ قوت سے تخلیق کو لافانی شاہکار میں تبدیل کرتا ہے۔

''عشق خود اِک سیل ہے، سیل کو لیتا ہے تھام''[۱۵]

یہاں زمانے کی رَو اس تخلیق کو فنا نہیں کر پاتی، یہ بات بڑے غور وفکر کا مطالبہ کرتی ہے۔ اور مردِ خدا کا یہ سرچشمۂ قوت فیضانِ الٰہی کا حامل ہوتا ہے۔ اسی نظم میں ہے:

''مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ''[۱۶]

دوسرے لفظوں میں اقبال کا مردِ مومن زمان ومکان کے حدود کا پابند نہیں ہے۔ اس نظم میں زمان و مکان اور سرچشمۂ قوت پر جو توجہ ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسولینی کی جن آنکھوں کی چمک نے اقبال کو بہت متاثر کیا وہ بے سبب نہیں ہے۔ اقبال نے اپنے فلسفیانہ خطبات میں بعض اہم نقطوں کی طرف اشارہ کیا ہے اُن میں وہ وقت کی ابدیت اور مکان کے حدود کو اس مادّی دنیا سے ماورا حیثیت رکھتے ہیں۔ اقبال کے

کلام میں قوت کے سرچشمے کی علامت حضرت علیؓ کو قرار دیا ہے۔ جنہیں بار بار اسداللہ، خیبر شکن، یداللہ اور بازوئے حیدرؓ سے تعبیر کیا ہے۔ دوسری طرف زمان ومکان کو سمجھنے کے لئے اقبال نے معراج نبویؐ کے واقعہ کو بار بار دہرایا ہے:

دے ولولۂ شوق جسے لذتِ پرواز
کرسکتا ہے وہ ذرّہ مہ و مہر کو تاراج
تو معنیٰ والنجم نہ سمجھا تو عجب کیا
ہے تیرا مدوجزر ابھی چاند کا محتاج[۱۷]

اس سے زیادہ واضح لفظوں میں زمان ومکان کو سمیٹنے اور سر کرنے کا بہت ہی واضح تصور اس شعر میں ہے:

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰؐ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں[۱۸]

ان اسلامی واقعات کی مدد سے اقبال نے زمان ومکان کو سمجھنے اور سمجھانے کی بڑی کوشش کی۔ سورۃ والعصر کی بھی فکر انگیز تعبیر اُن کے یہاں ملتی ہے اور لا تسبّوا الدّھر کی حدیثِ پاک کا بھی حوالہ ہمیں مجبور کرتا ہے کہ اقبال کے زمان ومکان کو ایک نئے امکانی فلسفے کی صورت میں دیکھا جائے۔ چنانچہ اقبال کے بیشتر نقادوں نے ان کے اس تصور کو سمجھنے اور سمجھانے کی اپنی بساط بھر کوشش کی۔ لیکن یہ سچ ہے کہ صرف ادبی نقاد اس کوشش میں کامیاب نہ ہوسکے۔ اُن اقبال شناسوں نے بڑی جگر کاوی کی ہے اور اس میں فلسفے کے بیشتر پہلوؤں کو بروئے کار لانے میں اپنی پوری قوت صَرف کی ہے۔ خواہ وہ خلیفہ عبدالحکیم ہوں یا رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر نصیر احمد ناصر یا پروفیسر ایم ایم شریف۔ یہ حضرات صرف ادب کے عالم نہ تھے بلکہ فلسفے کے عالم بھی تھے۔ ان بزرگوں کے ساتھ ساتھ جناب شبیر احمد خان غوری نے بھی بڑی فکر انگیز گفتگو کی ہے اور اقبال کے تصورِ زمان ومکان کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرنا چاہا ہے۔ اگرچہ اُنہیں اقبال کے کئی پہلوؤں سے اختلاف بھی ہے لیکن یہ سچ ہے کہ ابھی تک اقبال کے ان فلسفیانہ پہلوؤں کا احاطہ نہیں ہوسکا۔ وجہ صرف یہ ہے کہ اقبال ایک عبقری ذہن کے مالک تھے اور اُن کے فلسفہ وفکر کی بازآفرینی کے لئے وہی ذہن درکار ہے، شاید کوئی ایسا نابغہ پیدا ہو جو اس کا احاطہ کرسکے۔

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مشرقی ادب اور فکر میں اقبال پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس اہم تفکیری تصور کی تفہیم پر سب سے زیادہ توجہ دی ہے۔ وہ اس لئے بھی ناگزیر ہیں کہ انہوں نے بیسویں صدی کے اس عظیم الشان فلسفیانہ فکر کو کما حقہ سمجھا ہے۔ اقبال نے ہندوستانی ادبیات میں عالمی مسائل پر غور وفکر کرنے کی طرح ڈالی۔ ان کے معاصر ادب میں کسی زبان میں بھی کائناتی حوادث کا منظر نامہ کجا محض جائزہ بھی نہیں ملتا۔ اسی طرح فکر کے اہم میلانات کو فکر وشعر سے ہم آہنگ کرنے میں اور ہندوستان کے رہنے والوں کے دلوں

کو دردآشنا بنانے میں انہوں نے پہل کی ہے اوراسی طرح یہ صرف اقبال کا کلام ہے یا تحریریں جن میں زمان ومکان کی پوری سنجیدگی اور بازگشت سنائی دیتی ہے۔ یہ فلسفہ ان کے لئے حیرت واستعجاب کا سبب بھی تھا اوران کی تخلیقی فعالیت کا سر چشمہ بھی بنا رہا۔

حوالہ جات وحواشی

1. Dr. S. Alam Khundmiri, *Some Aspects of Iqbal's Poetic Philosophy*, Iqbal Institute, March 2000, p.31.
2. Syed Latif Hussain Kazmi, *Philosophy of Iqbal*, A. P. M. Publishing Corporation, New Delhi, 1997, p.18.

۳۔ جگن ناتھ آزاد، اقبال اور مغرب، مرتبہ آل احمد سرور، مضمون ''آئن سٹائن اور برگساں کے نظریاتِ زمان اور اقبال''، اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی، ۱۹۹۷ء، ص۲۲۔

۴۔ کلیات مکاتیب اقبال، جلد دوم، مرتبہ سیّد مظفر حسین برنی، اُردو اکادمی دہلی، ۱۹۹۳ء، ص۲۷۹۔

۵۔ ایضاً، ص۶۹۰-۶۹۲۔

۶۔ ایضاً، جلد سوم، ص۳۶۷۔۳۶۸۔

۷۔ ایضاً، ص۳۸۱۔

۸۔ ایضاً، ص۳۹۸۔

۹۔ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، اقبال کا تصور زمان و مکان، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۳ء، ص۸۳۔

۱۰۔ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص۴۰۶۔

11. Prof. M.M. Sharief, Iqbal on the Nature of Time, *Selection from the Iqbal Review* by Dr. Waheed Qureshi, April 1983, p.377.
12. Anwar Beg, *The Poet of the East*, Lahore, Sh. Muhammad Ashraf, 1961, p. 77.
13. Prof. M.M. Sharief, Iqbal on the Nature of Time, *Selection from the Iqbal Review* by Dr. Waheed Qureshi, April 1983. p. 376.
14. T.C. Rastogi, *Western Influence on Iqbal*, Ashish Publishing House, New Delhi, 1987, p.93.

۱۵۔ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، ص۴۲۰۔

۱۶۔ ایضاً۔

۱۷۔ ایضاً، ص۵۲۹۔

۱۸۔ ایضاً، ص۳۶۴۔